حدود قوانین میں ترمیم......تجاویز کو جامع بنانے کی ضرورت

ڈاکٹر خالد محمود

خواتین کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے علماء کے ایک وفد نے حکومت کو مندرجہ ذیل پہلوؤں پر قانون سازی کی تجویز پیش کی ہے:

(1) خواتین کو عملاً وراثت سے عام طور پر محروم رکھا جاتا ہے اس کے سدباب کیلئے مستقل قانون بنایا جائے۔

(2) بعض علاقوں میں خواتین کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا جاتا ہے اس کی روک تھام کیلئے قانون سازی کی جائے اور اسے قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔

(3) بیک وقت تین طلاقیں دینے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اور ایسی دستاویز لکھنے والے نوٹری پبلک اور وثیقہ نویس کو بھی شریک جرم قرار دیا جائے۔

(4) قرآن کریم کے ساتھ نکاح کی مذموم رسم کا سدباب کیا جائے۔

(5) جبری وٹہ سٹہ یعنی نکاح شغار کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔

(6) عورتوں کی خرید وفروخت اور انہیں میراث بنانے کے غیر شرعی رواج اور رسوم کا قانونی سدباب کیا جائے۔

اگرچہ مذکورہ بالا پہلو اپنی جگہ اساسی اہمیت کے حامل ہیں۔ تاہم ان تجاویز کو پیش کرتے وقت علماء کرام نے بیشتر معروضی حقائق کو سامنے نہیں رکھا یا پھر یہ امکان ہے کہ سیاق وسباق سے متعلق پہلو خبر میں سامنے نہیں آ سکے۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدود سے متعلقہ معاملات کی حساسیت کے سبب متعلقہ پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی جائے۔

اول...... جو قوانین اب تک بن چکے ہیں ان کے فوائد نہ ملنے کی وجوہ کیا ہیں۔ اس حوالے سے دین فطرت اور مجریہ قوانین کے نقطہ نظر یا فلاسفی میں زمین وآسمان کا فرق سامنے آتا ہے...... دین معاشرے کے مجموعی عمل میں عام فرد کا یہ کردار متعین کرتا ہے کہ وہ کسی اصلاح طلب بات کو دیکھے تو جس نوعیت کا معاملہ ہو اس کی ضرورت کے مطابق اپنے ہاتھ سے یا زبان سے اسے درست کر دے۔ ہر فرد اس فطری اصول کے مطابق وسیع معاشرے میں رہتے ہوئے اس کردار کو ادا کرنے کا پابند ہے۔ خاندان کے سربراہ کو زیر کفالت افراد کا نگہبان بنایا گیا ہے۔ جس کے لئے اسے آخرت میں جوابدہی کا سامنا بھی ہوگا۔ کروڑوں شہریوں کی اس قدرتی ذمہ داری کا تعین ملکی قانون میں پورے شرح وبست کے ساتھ ہونا چاہئے جو بدقسمتی سے ایک فیصد بھی ملکی قوانین میں شامل نہیں ہوتا۔ مروجہ نظام کے تحت ایک فیصد افراد کو 99% پر حکومت چلانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عددی اعتبار سے ایک فیصد انتظامیہ وعدلیہ پر ذمہ داری ڈال کر کروڑوں افراد کے معاملات کو پٹری پر رکھنے کی سعی کی جاتی ہے۔ عملاً وعقلاً جو نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔ وہ یہی ہیں کہ مسائل حل ہونے میں نہیں آتے۔ کیا مسلمان ملک میں یہ طریقہ اسلامی کہلا سکتا ہے کہ ہر شہری کو اخلاقی اور عملی اعتبار سے صفر کر دیا جائے۔ پالیسی میکرز اور دانشور سامنے دکھائی دینے والے المناک نتائج کے باوجود اداروں کو مضبوط بنانے کی بات ہی دہراتے رہتے ہیں۔ حیرت اس بات پر بھی ہوتی ہے کہ کروڑوں پر مشتمل عوامی طبقے میں ایک سے بڑھ کر ایک ملت کا ستارا تلاش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مروجہ تعریف کے مطابق عوام یا شہریوں کو جمہوری ستون کا درجہ حاصل نہ ہے۔ فطری اسلوب کے مطابق مسائل کے حل کے بندوبست میں تقسیم فرائض کی منصفانہ صورت کا موجود نہ ہونا اور مجموعی معاملات میں عام فرد کے کردار کو تسلیم نہ کرنا آمریت اور ملوکیت کی ایسی صورتیں ہیں جن کا مسلم معاشرہ خصوصاً صدیوں سے شکار چلا آ رہا ہے۔ حالیہ دور میں جدید پالیسیوں کی آڑ میں اسے تسلسل سے جاری رکھا جا رہا ہے۔ جو ایک بے معنی وبے نتیجہ سفر کا حصہ ہے۔ حیرت ہے کہ دین کا فہم رکھنے والے حلقے بھی اس پالیسی کو قابل عمل سمجھ کر قبول کئے ہوئے ہیں۔ اگر یہ بات اسی طرح طے شدہ ہے جیسے ہمارے ہاں رائج ہے تو ہر فرد کے ذمہ دار ہونے کے شرعی حکم کی تشریح کیسے ہوگی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ دینی حلقے سنجیدگی اور گہرائی سے اس بنیادی وجہ کی درستی کی فکر کریں۔ اس لئے کہ موجودہ صورت میں محض ایک فیصد انتظامیہ کی سرگرمیوں پر انحصار کر کے ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتے کہ دین کے نظام کے مطابق قانون سازی کر کے ملکی معاملات چلا رہے ہیں۔

دوم...... موجودہ قانون اور اس کے نفاذ کے عمل کا جائزہ ایک اور پہلو سے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کام تب شروع ہوتا ہے جب کوئی معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ اداروں کا کام کسی شہری کیخلاف احتسابی عمل کی صورت لئے ہوتا ہے' قانونی کارروائی کو سماجی یا معاشرتی نوعیت کا عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تھانہ کچہری کے معاملات میں گرفتار فرد مرد ہو یا عورت فکری اور سماجی طور پر حقیقتاً زائل جاتا ہے۔ دوسری طرف سماجی یا معاشرتی عمل اپنی نوعیت میں سراسر اصلاحی عمل ہے جو مشاورت' تربیت' رہنمائی' دلجوئی کے لوازمات لئے ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ عمل معاشرے کے قیام ودوام میں ستون کا درجہ رکھتا ہے لیکن دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کسی سیاسی' دینی' سماجی جماعت یا حکومتی حلقوں نے اس کی بقاء وحفاظت پر کوئی توجہ اب تک نہیں دی۔ حتیٰ کہ اس بنیادی ضرورت کی محرومی کا احساس بھی سماجی سطح پر ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ اس ستون کی حفاظت کے ضمن میں فطری طور پر تین طبقات شامل ہو سکتے ہیں۔

(1) سربراہ خانہ یا گھر کا کوئی معتبر فرد (2) محلے کے معززین (3) یونین کونسل کی سطح کی مصالحت کمیٹی

جو تجاویز ابتداء میں درج کی گئی ہیں وہ انہی طبقات کی نگرانی وذمہ داری میں دی جا سکتی ہیں لیکن پہلا تقاضا یہ ہے سربراہ خانہ کو خاندانی دائرے میں مجوزہ قانون میں ایک معتبر نگہبان کی حیثیت دی جائے' تب وہ خاندانوں میں توڑ پھوڑ کے رجحانات کو روکنے کے ساتھ ساتھ معاملات کو واضح قانونی دائرے میں رکھنے میں واقعتاً مددگار ومعاون ثابت ہو سکے گا۔ دوم...... سماجی سطح کے امور میں نگرانی کا عمل قریبی حلقے (300 گھروں پر مشتمل محلے) کی سطح پر مقرر کردہ مشیران کو سونپا جائے...... یہ دونوں بندوبست فی الوقت عنقا ہیں۔ اصلاح' تربیت' رہنمائی ودلجوئی کے انتظامات کے بغیر قانون کی پیروی کی توقع رکھنا بے معنی سی بات ہوگی۔ مذکورہ انتظامات سے زندہ' متوجہ اور متحرک وبیدار معاشرے کا منظر سامنے آ سکتا ہے۔ سوم...... اگر معاملہ ان دو درجوں میں نہیں سنبھل پاتا تو یونین کونسل تک اور بعد ازاں تھانہ وعدالت تک لے جایا جا سکتا ہے۔

ایک لڑکی اور لڑکا جو آپس میں شادی کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اولاً اپنے اپنے خاندان میں جان پہچان والے قانوناً مجاز نگہبان یا محلے کے مشیران سے رجوع کریں' نہ کہ کسی اجنبی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہو کر اپنا معاملہ بیان کریں۔ اسی طرح ایک لڑکی جو اپنے والدین کو اپنی بات نہیں سمجھا سکتی' وہ تھانے یا دارالامان جانے سے قبل کسی جاننے والے خاندانی نگہبان یا محلے کے مجاز مشیران سے بات کرے۔

میاں بیوی ایک دوسرے کا معاملہ یکدم عدالت میں لے جانے کی بجائے نزدیکی مشیران کے سامنے پیش کریں۔

ایسے انتظامات اگر مجوزہ قانون کا حصہ بنیں تو خاندان' محلے اور نظام کی ہر سطح پر خرابی کو روکنے کی شہریوں کی طرف سے ذمہ داری کی ادائیگی کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن موجودہ نظام میں ملک کا ہر باشعور شہری خود اپنے معاملات یا ماحول کی اصلاح کے حوالے سے مروج قوانین کے تحت ایک فیصد انتظامیہ کے ہاتھوں مجبور محض' پابند اور یرغمال بن کر رہ رہا ہے۔ 99% افراد کو فطرت کی متعین کردہ اخلاقی' عملی وشرعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی آزادی اور مواقع سے محروم رکھنا نہ صرف خلاف فطرت امر ہے اس کا نتیجہ انتشار' تنہائی' مایوسی' بغاوت اور جرائم یا پھر خودکشی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہ مناظر ہم روزانہ اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔

علماء کرام سے گزارش ہے کہ جامع اور پائیدار نظام کے لئے حکومت سے تعاون ضرور فرمائیں اور نظام میں دینی ومشرقی ضروریات کے مطابق ترامیم تجویز فرمائیں۔ مذکورہ بالا تجاویز کے ساتھ درج ذیل تجاویز بھی شامل کی جائیں۔

(1) بے حیائی پھیلانے کی ہر صورت کو جرم قرار دیا جائے۔ اس کی سخت سزا مقرر کی جائے۔

(2) خاندانی نظام کو معتبر اور فعال بنانے کے عمل میں درج ذیل اقدامات اٹھائے جانے چاہئیں۔

(i) محکمہ کے توسط سے سروے کرا کر ہر گھرانے کے نگہبان کا تقرر کیا جائے۔

(ii) شریعت کی رہنمائی میں نگہبان کی ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے۔

(iii) خاندانوں کے اندرونی معاملات طے کرنے کیلئے پانچ نگہبانوں کے فیصلے کو قانونی وحتمی قرار دیا جائے۔

(3) سماجی نظام کو معتبر اور فعال بنانے کے عمل میں درج ذیل اقدامات اٹھائے جانے چاہئیں۔

(i) تین سو گھروں کے محلہ میں پانچ گھرانوں کے نگہبانوں پر مشتمل مشیران کا تقرر کیا جائے۔

(ii) مشیران کی ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے۔

(iii) محلے کی سطح پر مشیران کے فیصلے کو قانونی وحتمی قرار دیا جائے۔

(4) نگہبان ومشیران کو دینی وقانونی معاونت یونین کونسل کی طرف سے میسر آنی چاہئے۔

(5) پولیس یا عدالت نگہبان اور مشیران کی کارروائی اور رپورٹ کے بغیر براہ راست اقدامات اٹھانے کی مجاز نہ ہو۔

التماس ہے کہ جب تک سسٹم کو مشرقی اور شرعی تقاضوں کے مطابق بنیاد فراہم نہ کی جائے اس وقت تک کسی اصلاحی نظام کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کی تجویز ممکن اور قابل عمل نہیں ہو سکتی۔